Name : **Gulzar Ahmad Ganie**

Supervisor Name : **Dr. Kausar Mazhari**

Department of Urdu

Faculty of Humanities & Languages

Jamia Millia Islamia, New Delhi-110025

تلخیص

1960 کے بعد کی شاعری: موضوعات اور اسالیب کا تجزیاتی مطالعہ

کسی بھی زبان کے ادب کا تنقیدی اور معروضی مطالعہ یا تجزیہ اس زبان کے مخصوص تہذیبی پس منظر میں ہی ممکن ہے۔ 1960 کے بعد شاعری کا تجزیہ اور مطالعہ بھی تہذیبی پس منظر میں ہی ممکن ہوسکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ تنقیدی اور تجرباتی مطالعہ تہذیبی پس منظر کی نفی پر نہیں بلکہ اقرار سے ممکن ہوتا ہے۔

گذشتہ نصف صدی میں اردو غزل کے موضوعات، ہیئت اور اسلوب کی سطح پر جس طرح کا تنوع نظر آتا ہے وہ اردو غزل کی تاریخ میں اس سے پہلے نہیں ملتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جدید نظم کی طرح ہی جدید غزل میں لہجے کی یکسانیت اور بے رنگی کا احساس کبھی کبھار ہوتا ہے۔ جدید شاعری کے مطالعہ سے ہر رنگ، ہر لہجے اور ہر طرح کے تجربے سے مملو شاعری کا احساس بھی ہو جاتا ہے۔

نئی غزل میں نئی علامتیں، نئے تلازمے، نئی امیج کے ساتھ ساتھ نئی طرح کی فضا آفرینی کا احساس ہر جگہ ہوتا ہے۔ جدید غزل کی نمایاں خصوصیات تنوع، رنگا رنگی اور پہلوداری ہے۔ جدید غزل کی متعین یا سکہ بند ہیئت ہے نہ اس کا کوئی بندھا ٹکا اسلوب۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ استعاروں کی کثرت، پیکروں کا ہجوم اور علامتوں کا اژدہام کہیں کہیں شدت سے قاری کو کھلتا ہے۔ اور ابہام یا پھر تجرید کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ابلاغ و ترسیل کی ناکامی کا خوف رہتا ہے۔ میں نے جدید شاعری میں انحراف کی مختلف شکلوں اور انفرادیت کی مختلف جہتوں کو مثالوں سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

نئی غزل کے شعرا نے شاعری کے توسط سے سماجی مسائل اور ثقافتی تشخص کو مختلف انداز اور زاویوں سے دریافت کیا ہے۔ یہ شاعری انحراف اور انفرادیت کی مختلف جہتوں کی صورت میں اپنی پہچان کراتی ہے۔ یہاں جدید غزل کی طرح استعاروں، پیکروں اور علامتوں کی کثرت اور ہجوم نہیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ استعاروں کی کثرت اور علامتوں کے نہ ہونے کے باوصف نئی غزل اپنے میں مکمل ہے۔ اور یہ غزل حیات انسانی سے بھرپور طور پر انداز میں مکالمہ کرتی ہے۔ اور اس مکالمہ میں قاری کو بھی شریک کرتی ہے۔ قاری کی شرکت اس طور پر ممکن ہو پائی ہے کہ معاصر غزل میں ابہام اور تجرید کے نتیجے میں ابلاغ اور ترسیل کی ناکامی کا اندیشہ نہیں۔

جدیدیت کی اصطلاح کثرت تعبیر کی وجہ سے ایک معمہ بن چکی ہے اور جدیدیت کی بحث نے بہت سارے مغالطوں کو راہ دی ہے۔ شمیم حنفی کو جدیدیت کو تحریک یا پھر مکتب فکر ماننے میں تامل ہے۔ وحید اختر نے جدیدیت کو ترقی پسندی کی توسیع قرار دیا ہے۔ لطف الرحمٰن نے جدیدیت کو 'وجودیت' کی توسیع قرار دیا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے جدیدیت کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ نہ تو ترقی پسندی کی توسیع ہے نہ ہی فلسفہ وجودیت کے زیر اثر کوئی تحریک بلکہ جدید ادب کسی بھی نظریے اور فلسفہ سے بالاتر ہے اور یہ ان تمام کو فلسفوں اور نظریوں کے حدود کو توڑتی ہے۔ جدیدیت کا تصور نظام فکر اور نظام اقدار کی تبدیلی سے عبارت ہے۔ یہ زندگی کو ایک بالکل نئے زاویے سے سوچنے اور برتنے کا نام ہے۔ ناصر عباس نیر نے جدیدیت کو محض ثقافتی و ادبی حالات کی پیداوار قرار دیا ہے۔ نیز یہ کہ جدیدیت کوئی ابدی سچائی بھی نہیں جس کی اہمیت تمام زمانوں کے لیے ہو۔ لہٰذا جدیدیت کی تفہیم و تعبیر اسی مخصوص ثقافتی و ادبی

حالات کے تناظر میں کی جائے کہ جس کی وہ زائدہ ہے۔

جدیدیت ان معنوں میں تحریک نہیں کہ اس کا کوئی واضح دستور العمل نہیں اور یہ بندھے ٹکے نظریہ یا پھر لائحہ عمل نہیں رکھتی۔ جدیدیت ایک ذہنی رویہ اور طرز احساس ہے جہاں کسی اصول، ضابطے یا تقلید کو دخل نہیں۔ جدیدیت عصری میلانات اور تجربات کے آزادانہ احساس کے ساتھ ساتھ آزادانہ اظہار کا نام ہے۔

سائنسی اور مادی طور پر فتوحات کے باوصف قدروں کے زوال اور روحانی کرب جدید انسان کا مقدر بن چکا ہے۔ انسان سائنسی و مادی ترقی، کمال اور اخلاقی و روحانی زوال کے سنگم پر کھڑا خود کو تنہا محسوس کرتا ہے۔ سائنس اور نئی تہذیب نے اسے بہت حد تک آسانیاں فراہم کیں، ساتھ ہی افسردگی اور بے حسی کے احساسات سے دوچار کر دیا۔ جدید شاعری کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اس کے حاوی میلان منفی افسردگی، یاسیت، زندگی کی بے معنویت، جنسی بے راہ روی، لاحاصلی اور خواہش مرگ سے عبارت ہے۔ انسان کے اس داخلی کرب کے پیچھے حالات یا وقت کا جبر کارفرما ہے۔

جدید شعرا نے اسلوب اور موضوع اعتبار سے ابہام اور مشکل بیانی کو شاعری میں راہ دی ہے۔ ترسیل اور ابلاغ کے مسائل پیدا ہوئے۔ ذاتی علامتوں کے استعمال سے بعض مواقع پر جدید شاعری اپنے قاری سے بھرپور انداز میں مکالمہ کرنے سے قاصر رہ جاتی ہے۔

نئی غزل کا اطلاق اسّی (۸۰ء) کی دہائی میں ابھرنے والی غزل پر ہوتا ہے جو اپنے ظاہر اور باطن کے اعتبار سے ماقبل کی غزل سے یکسر مختلف ہے۔ کیوں کہ مابعد جدید غزل میں شعرا نے نہ تو لسانی تجربوں کو بنیاد بنایا اور نہ ہی واقعیت زدگی کے رجحان کو فروغ دیا۔ مابعد جدید غزل میں علامات و استعارات کا استعمال، ترکیب سازی اور پیکر تراشی کے رجحانات ایک قدرے نئی شکل میں سامنے آئے ہیں۔ جس کی وجہ سے جدید تر غزل میں نئے معنوی تناظرات پیدا ہوئے جو عصری میلانات اور جدید حسیت کی مؤثر پیش کش میں اہم رول ادا کرتے ہیں علامتی اور استعاراتی اظہار نے غزل کی معنوی تہہ داری میں اضافے کیے۔

نئی غزل کے یہ شعرا سے اظہار کے وسیلے بھی الگ کیے ہیں اور اپنا الگ مزاج و آہنگ بھی رکھا ہے۔ اس میں تازگی اور جدت بھی ہے۔ یہ شاعری لسانی جہتوں کی تلاش میں سرگرداں بھی نظر آتی ہے نیز سماجی معنویت سے پُر ہے۔ اسلوب بیان کی تازگی اور توانائی کا احساس جگہ جگہ قاری کو دلاتی ہے۔

اردو نظم نے اپنے آغاز سے لے کر اب تک ارتقاء کی مختلف منازل طے کی ہیں۔ جب ہم اردو نظم کا مطالعہ کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ نظم اپنے ارتقائی سفر کی منازل کی طرف متعدد اور مختلف اشارے کرتی ہے۔ ایک مخصوص وقت تک جدید نظم کے لیے کہا جاتا رہا کہ یہ وہ نظم ہے جس میں ہیئت کے نئے نئے تجربات کو اہمیت دی گئی ہو۔

چوں کہ عہد حاضر کا منظر نامہ کافی حد تک تبدیل ہو چکا ہے بدلتے عہد کے بدلتے منظر نامہ کو نئی نظم نے کامیابی کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔ لہٰذا ۸۰ سے پہلے کی نظم اور ۸۰ کے بعد کی نظم میں واضح رجحانات اور رویوں کا اختلاف ہے ان ہی رویوں اور رجحانات کے اختلاف کے تناظر میں جدید اردو نظم کو جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ جانچنے اور پرکھنے کے عمل کے دوران یہ بات محسوس کی جا سکتی ہے کہ ۸۰ کے بعد سے اردو نظم میں ایک نیا تخلیقی ذہن وجود پاتا ہے اور یہ کہ یہ شاعر مشروط ذہن کو چھوڑ کے غیر مشروط طور پر چیزوں کو دیکھتا اور پرکھتا ہے۔ پرکھنے اور دیکھنے کے بعد غیر مشروط ذہن سے ان کو شعری پیکر عطا کرتا ہے۔ یہ شاعری اپنی زمین اور تہذیبی جڑوں سے پیوست یا جڑے رہنے کا احساس کراتی ہے۔